

"Con Amore"

"کن آمورے"

از قلم سحاب خان۔

(قسط سوم)

زیادہ تر مہمان جا چکے تھے۔ رات کے ساڑھے دس ہوا
چاہتے تھے۔

سہلہ ہٹ کی بالائی منزل کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ تا
حد نگاہ سیاہ آسمان، ٹھاٹھے مادے سمندر کی آواز اور
ٹھنڈی ہوائیں اس سرد موسم میں بھی سہلہ کو فرحت
بخش رہی تھیں۔

وہ اپنی کامیابی کی خوشی کو واقعی طور پر محسوس کر
رہی تھی۔

اپنی طرف بڑھتے قدموں کی آواز سن کر وہ مڑی۔ بسمہ
آنتی کو وہاں پا کر وہ انکی طرف مڑی، انکے چہرے کا
اڑتا ہوا رنگ صاف واضح تھا :

"آپ پریشان لگ رہی ہیں؟" اسہلہ کو تشویش ہوئی۔

ٹیپ سینے سے لگائے انہیں نے ایک قدم اور سہلہ کی
طرف بڑھایا، اور ٹیب کی اسکرین سہلہ کو دکھائی:

"تھوڑی گڈ بڈ ہو گئی ہے، ہم پہ چائیلڈ لیبر (بچوں سے

مزدوری) کا الزام لگا ہے۔ ساری این جی اوڑ اور ایکٹوسٹ

ہمارے خلاف بول رہے ہیں۔ لوگوں نے ہمارا بائیکاٹ کرنا

شروع کر دیا ہے۔ بہت سے آرڈرز کینسل ہو گئے ہیں۔"

سہلہ کے چہرے کا رنگ اسکرین کو دیکھ کر فق ہو گیا۔

کہیں ایک بچہ روتے ہوئے لوہے کی بالٹی تھامے ہوئے تھا تو کہیں کچھ بچے ساتھ دوزانوں بیٹھے دھاگوں سے کچھ کام کرنے میں مشغول تھے۔ کہیں ایک بچہ مٹی سے لدے کپڑے پہنے رو رہا تھا تو کہیں ایک بچہ اپنی انگلی تھامے رو رہا تھا جس سے خون بہ رہا تھا اور اسکی گود میں دھاگہ ڈلی ہوئی سوئی دکھی تھی۔

کچھ پل کے لیے وہ کچھ نا کہ سکی - آنکھوں سے گد مائع جس میں سیاہ سی آمیزش تھی بہنے لگا ؛
" یہ سب بغیر تحقیق کیے اتنا سب کچھ کیسے پوسٹ کر رہے ہیں۔ یہ تو ہماری اپنے ورکرز کے بچے ہیں۔ " اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے منع کیا تھا سہلہ تمہیں کہ انکو بچے ساتھ لانا الاو مت کرو۔" بسمہ آنٹی نے اسے یاد دلایا۔

"تو کیا کرتی ، اگد الاو نا کرتی تو ، بچے وہ اپنے گھر پہ کس کے پاس چھوڑ کر آتیں ، آپکو معلوم ہے کہ وہ عورتیں فنانشلی اتنی سٹیبل نہیں ہیں کہ اپنے بچوں کے لیے نینیز افورڈ کر سکیں ، اپنی اولاد کہ وجہ سے وہ بھی کام پہ نا آتیں ، انکا کتنا لاس ہوتا ، آپ مچھ سے بہتر جانتی ہیں۔"
سہلہ تقریبات چیخ ہی اٹھی تھی۔

بسمہ وہیں بدف ہو گئی تھی۔

وہ سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگی - اس کی ہیلرز کی ٹک ٹک نے نیچے بیٹھے باتوں میں مشغول لیٹ، فادی اور دادی

کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

سہلہ کو روتا دیکھ کر سب پریشان ہو گئے - وہ تینوں اس کی طرف بڑھے:

"سہلہ ! میری بچی، کیا ہوا ہے؟" دادی اسکو دیکھ کر کافی پریشان ہو گئیں تھیں۔
"مس سہلہ، کائینڈلی۔۔۔" لیٹ بھی سہلہ سے کچھ کہنے لگا تھا۔

مگر وہ سب کو نظر انداز کیے تیز رفتار سے صدر دروازہ کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔

باہر نکلتے ہی ڈرائیور، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے وہاں موجود تھا - سہلہ کا پھیلا ہوا کاجل اور بہتے آنسو دیکھ کر اسے کافی حیدانی ہوئی پر وہ خاموش رہا۔ سہلہ گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی پوری رفتار سے اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔

ہٹ والی گلی میں ہٹ کے دروازہ سے کچھ دور سیاہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بداجمان ابوالیذن فون کان سے لگائے ابن جلال سے ہم کلام تھا:

"آج تو کراچی کی سیاہ رات نے موسلا دھار بارش کا نظارہ کیا ہے۔ کالی کالی بوندیں ٹپ ٹپ گد رہی تھیں۔" اسکا اشارہ سہلہ کی طرف تھا۔

"چلو مبارک ہو تمہارا کام آسان ہو گیا۔" ابن جلال کی فون کے اس پار سے آواز آئی۔

"بھولو مت، سارا کام تمہارا ہے، مجھے صرف برانڈ

چاہیے۔" ابوالیذن نے گرجدار آواز میں جواب دیا۔

اچھا اچھا ٹھیک ہے۔" اسکی گرجدار آواز سن کر ابن جلال
سہم گیا۔

اور انکا یہ مکالمہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے وہ خاموشی سے
سنتا رہا، ابوالیذن کا چمچہ۔

کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پہ اسکے
پہنے گئے زیورات پھکے پڑے تھے۔

کلچ صوفے پہ پھیکا گیا تھا، فاکس فدر شال زمین پہ پچھے
رگ پہ گدی تھی، اسی کے ساتھ ہیلز پڑی تھیں۔ اسکا
لباس صوفے پہ پھیکا گیا تھا۔

اور وہ وکٹوریائی طرز پہ بنا لباس نوم پہنے بستہ پہ کمر
اوڑھے لیٹی تھی۔ صرف اسکا چہرہ کمر سے باہر تھا۔
آنکھیں بند تھیں پر ذہن میں ایک طوفان جنم لے چکا تھا۔
وہ حال کے مسائل کو ہی نہیں سمجھ پائی تھی کہ ماضی
کے ایک ظالم منظر نے ذہن کے دروازوں پی دستک دی۔
"جب میں نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تو پھر یہ سب کیا
ہے۔" سہلہ کی والدہ نے روتے ہوئے اونچی آواز میں کہا
تھا۔ دادی مسلسل انکی کمر تھپکا رہی تھیں۔

یہ کسی وسیع و عریض مکان کا کمرہ تھا، جہاں سہلہ کی
والدہ، والد اور دادی ٹی وی کی اسکرین آن کیے بیٹھے
تھے۔

"یہ بھی اسی کے کدوت ہوں گے۔" انہوں نے سہلہ کے والد کی طرف اشارہ کیا جو ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔ اسکرین پہ نظر جمائے ، سوچوں میں کھوئے محسوس ہوتے تھے۔

دیوار پر لگی اسکرین پہ اک کلپ چل رہی تھی جس میں سہلہ کی والدہ کی تصویر چمک رہی تھی۔ اینکر مسلسل کچھ بول رہی تھی، صرف ایک لفظ جو سہلہ کی سماعت سے بار بار ٹکرا رہا تھا وہ تھا " اسمگلنگ "۔

گیارہ سالہ کمرے کہ آدھ کھلے دروازے سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی - والدہ کو روتا دیکھ کر اسکی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

وہ حال میں واپس آئی تو کئی آنسوؤں چہرے سے ہوتے ہوئے تکیے کو نم کر رہے تھے۔

بالآخر سہلہ سو ہی گئی۔

دادی اور دونوں بچے گھر پہنچ چکے تھے۔ وہ دونوں تو اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور دادی سہلہ کے کمرے بغیر کسی آواز پیدا کیے کھول کر اندر آئیں - سہلہ کو سوتا پا کر انہیں اطمینان ہوا لیکن وہ اس کے اندر اڑھے طوفان سے بھی واقف تھیں۔

اس کے قریب جا کر انہوں نے سہلہ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے والد صحیح ہیں ، میں ہمیشہ تمہاری والدہ کے ساتھ کھڑی رہی تو تمہیں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔" انہوں نے اتنی ہلکی آواز میں کہا کہ

انکی آواز صدف انہی کے کانوں تک کا سفر طے کرسکی
تھی۔

اپنے کلچ سے سلک کا نسوانی رومال نکال کر اپنی آنکھوں
کے کنارے پوچھے ۔

اور اپنے کمرے کی طرف چد پڑیں۔

وہ دبے پاؤں اندھیرے میں ڈوبے لاؤنچ میں بہت محتاط انداز
سے چد رہا تھا۔ کھانے کی میز اور صوفے کے درمیان چلتا
ہوا وہ کچن تک آیا۔

اپنے مطلب کی کوئی چیز نا ملنے پر اسکے چہرے پر
مایوسی عیاں تھی۔

وہ کچن میں ہی تھا کہ اچانک اسے دروازہ کھلنے کی آواز
آئی۔ وہ فوراً نیچے جھک گیا ، ہلکی سی گردن اٹھا کر
دیکھا تو سہلہ اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔ بال جو بار
بار منہ پر آدھے تھے سہلہ نے انہیں نے کان کے پیچھے
دبایا ، آنکھیں رونے کی وجہ سے سوچ گئی تھیں ، سردخی
مائل آنکھوں کو رگڑا تو اسے شدت درد کا احساس ہوا۔ منہ
سے بے ساختہ ایک کراہ نکلی ۔

وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی ٹیبڈ کی طرف آئی۔

اس مضبوط چھٹی حس کی مالک لڑکی کو کچھ غلط

محسوس ہوا پھر جیسے ہی اسکی نظر دیوار پر بے شمار

فریمز کے ساتھ لگے آئینے پہ گئی تو اپنی حالت دیکھ کر

اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس اوپن کچن کے درمیان میں مجود کچن آئیلینڈ کے پیچھے سے چھپ کر یہ منظر دیکھتے ہوئے ابوالیذن کے صنمید نے اسے خوب کوسا تھا -

نہیں نہیں یہ ابن جلال کا قصور ہے ، میں نے کسی عورت کو نہیں دلایا ، مجھے تو صرف بدانڈ چاہیے۔ اس نے اپنے صنمید کو خاموش کرایا۔

جن لوگوں کی روحیں بھٹکی ہوئی ہوتی ہیں، وہ صنمید کو خاموش کدائے میں ماہر ہوتے ہیں۔

سہلہ میز پر رکھی بوتل سے گلاس میں پانی انڈید دہی تھی۔ اس نے گلاس منہ سے لگایا ، بس ایک گھونٹ پی کر اس نے گلاس ٹیبل پر رکھ دیا اور کمرے میں چلی گئی۔ سہلہ کو پانی پیتا دیکھ کر اسے پھی پیاس کا احساس ہوا۔ جب کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو وہ دبے قدموں میز کی طرف آیا ، وہ گلاس اٹھانے ہی لگا تھا کہ اسے اپنے لیٹر جیکٹ میں تھد تھداہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے فون نکال کر کال ریسرو کی اور فون کان سے لگایا۔ "اس وقت کیا مسئلہ آن پڑا ہے۔" وہ دبی آواز میں

جھنجھلایا۔ ایک ہاتھ سے فون تھامے اس نے دوسرے ہاتھ سے گلاس اٹھایا ، گلاس اس سردی میں بھی گرم ہو رہا تھا۔ سہلہ کو شاید بخار تھا۔ اس نے دوبارہ خود کو کوسا اور گلاس منہ سے لگادیا۔

"سر وہ آپکو تو اس سویڈش شاہی گھدائے کی خاتون کی شادی کا علم ہے نا، وہ شادی کی تیاریوں کے لیے کد عمان

آپکے بوتیک آئیں گی - وہ اپنی انگیجمنٹ کا لباس ہم سے بنوانا چاہتی ہیں۔" اسکا بوتیک مینیجر بتاتا چلا گیا۔

"مجھے تو ایسے بتا رہے ہو جیسے لباس میں نے سینا ہے، میری ملکہ تھوڑی ہے وہ کہ میں اس کے لیے کراچی سے عمان آؤں، کد تم انکو انڈرٹین کر لینا اور کچھ سکیچز دکھا دینا جو اچھا لگے اس پہ کام شروع کر دینا، خلاص۔

ایک اور بات اچھے سے ڈیڈ کرنا اور میری طرف سے معذرت بھی کر لینا، آخر کو ہیں تو وہ میری گاہک۔" اس نے آہستہ سے گلاس میز پر رکھتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔

کال منقطع کر کے وہ بالکونی کی طرف بڑھا - احتیاط سے بالکونی کا سلائیڈنگ ڈور کھول کے بالکونی میں گیا، دروازہ بند کیا اور بغیر کوئی ثبوت چھوڑے غائب ہو گیا۔

صبح کے بارہ بج چکے تھے، سورج کی روشنی و تپش ہر سو پھیلی ہوئی تھی، پورا شہر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھا، بحیرہ عرب جو سورج کی روشنی کی وجہ سے پیرے کی مانند چمک رہا تھا ٹھائے مار رہا تھا۔

کھڑکیوں پہ پردے لگنے کے سبب کمرے میں اندھیدا تھا۔ وہ اپنا سراپا کمبل میں چھپائے اب تک سو رہی تھی۔

چونکہ دادی ہوم اسکولنگ کی قائل تھیں اس لیے وہ فجر کی نماز کے بعد، ان کے ساتھ ورزش کرتیں، ناشتہ کرنے کے بعد وہ انکو پڑھاتیں - دادی کے کمرے میں ہی اک خگہ مختص تھی جہاں وہ انکو پڑھاتیں وہ سات بجے سے دس

بجے تک انکو گھد پد پڑھاتیں اور پھر جب کیفیذ کھد جاتے
تو وہ-انہیں نیچے بنے اک کیفے میں لے جاتیں جہاں وہ
موجودہ حالات بد بحث و مباحثہ کرتے اور اپنی استطاعت
کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے -

بارہ بجے انکی گھد واپسی کا وقت تھا-
بارہ بجے وہ تینوں گھد میں داخل ہوئے - سہلہ کی غیہ
موجودگی محسوس کردے سب کو لگا کہ وہ آفس گئی ہوئی
ہے:

"اللہ کا شکر ہے کہ (Sally) سیلی ٹھیک ہو گئی ہے-میں
تو رات کو اسکو دیکھ کر بہت ڈر گئی تھی- " زہدا نے کہا-
ولیم ورڈسورتھ کی نظم " سیلی مارٹن" دادی سے پڑھنے
کے بعد احمد ، زہدا اور دادی تینوں سہلہ کو پیار سے سیلی
کہتے تھے-

" سیلی مضبوط ہے ، ظاہر ہے ٹھیک ہو گئی ہو گی- " احمد
نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا-

دادی انکی باتوں کو سنا ان سنا کرتے ہوئے سہلہ کے کمرے
کی طرف بڑھیں اور خاموشی سے دروازہ کھولتے ہوئے اندر
داخل ہوئیں- سہلہ کی وہاں موجودگی سے وہ واقف تھیں-
وہ اسکے قریب گئیں اور جھک کر اسکو بیدار کرتے ہوئے
دھیمی آواز میں بولیں:

"سیلی میری پچی اٹھ جاؤ، دن کے بارہ بج چکے ہیں-"
انہوں نے پیار سے سہلہ کے کندھے پہ تھپکی دیتے ہوئے
کہا-

"اٹھ رہی ہوں -" سہلہ نے دھیمی آواز میں کہا اور اٹھ کر دادی کو دیکھنے لگی۔ سہلہ کی آنکھوں میں سوزش کے ساتھ ساتھ سرخی بھی تھی۔

وہ بالکل اپنی ماں جیسی تھی۔ اسے دیکھ کر دو پد کے لیے دادی کو سہلہ کی ماں یاد آئی تھیں۔

"کب تک میری سہلہ (heal) پید کرے گی؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے سہلہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے تھوڑا اسپیس ملے گا۔" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا، وہ اس موضوع کو ختم کرنا چاہتی تھی جسے دادی چھیڑ چکی تھیں۔

"بالکل، اسپیس ملے گا لیکن یہ یاد رکھنا تم تب تک ٹھیک نہیں ہوسکتی نا ہی تمہیں کوئی ٹھیک کر سکتا ہے جب تک کہ تم خود نا چاہو اور تمہارا ٹھیک ہونا لازمی ہے، مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کیوں؟" یہ کہ کر دادی وہاں سے چلی گئیں۔

سہلہ انکی باتوں کو سوچنے میں مشغول ہو گئی۔ انکی باتوں میں اتنا اثر ہوتا تھا کہ انکے دو لفظ بھی دل پر اثر کر جاتے تھے۔ اسے واقعتا پید کرنا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ۛ

"The process of healing is never linear"
وہ ابھی انہی سوچوں میں گم تھی کہ خاموش پڑے فون نے اپنی تھرتھراہٹ سے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
بسمہ آنٹی کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

اس نے فون کان سے لگایا:

"سہلہ کیسی ہو؟" بسمہ آنٹی کی آواز آئی۔

کیا ہمت ہے اس عورت کی اس وقت بھی یہ یقیناً آفس میں موجود ہوگی، سہلہ نے سوچا۔

"جی الحمد للہ۔" اس نے مدہم آواز میں کہا۔

"سہلہ تمہیں ٹھیک ہونا پڑے گا، برانڈ کا حال بے حال ہے۔ شکر کرو کہ اب بھی کچھ لوگ ہم سے ہمارا مال پرچیڈ کر رہے ہیں۔"

"ہمارا مال نہیں، ہمارے شاہکار۔" اس نے بات کاٹتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ پد کے لیے خاموش ہو گئیں پھر بولنا شروع کیا:

"اوکے اوکے - اور ایک اہم بات ابوالیزن احمد ایک اردنی فیشن ڈیزائنر ہے، تمہیں یاد ہوگا پچھلے سال پیرس فیشن ویک میں جسکا ایک بلیک ڈریس تمہیں پسند آیا تھا تم نے کہا تھا کہ یہ ڈیزائنر تمہارے روح کی کپڑوں پہ عکاسی کرتا ہے، اس نے ہماری برانڈ خریدنے کی آفد کی ہے، تم کیا کہتی ہو۔"

عادت کے مطابق وہ ساری باتیں ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئیں۔

"آنٹی میں کد آفس آونگی پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے فون رکھ دیا۔

جب وہ کمرے سے نکد کر لاؤنج میں آئی تو وہ تینوں میڈ پر بیٹھے کھانے میں مشغول تھے۔ سہلہ کو کمرے سے نکلتا دیکھ کر زہدا اور احمد ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

سہلہ کو میز کی طرف قدم بڑھاتا دیکھ کر دونوں نے سہلہ کو مسکرا کر دیکھا اور کھانے میں مشغول ہو گئے۔
سہلہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور کھانے میں مشغول ہو گئی۔

سب خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔
خلاف معمول آج کھانے کی میز پر کافی خاموشی تھی۔

لیث اپنے پینٹ ہاوس کے ایک کمرے میں فادی کے ساتھ بیٹھا لیپ ٹاپ پر اپنا کام کرنے میں مشغول تھا۔
فادی نوٹ پیڈ پر قلم چلاتا اپنے کام میں مصروف تھا۔
"میں مس سہلہ کو اپنی مسٹرس بنا رہا ہوں۔" لیث نے اسکرین پر نظریں جمائے خاموشی چیدتے ہوئے فادی کو مخاطب کیا۔

فادی نے ایک لمحے کے لیے لیث کو دیکھا اور ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اسکا قہقہہ سن کر لیث نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر فادی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ آپ سے شادی کر ہی نا لیں ، آپکو پتہ ہے نا کہ پاکستانی اپنی بیٹیوں کی شادی امیر کبیر لوگوں سے کراتے ہیں اور آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ انکی نظروں میں آپ کیا ہیں۔" اس کے دماغ میں جو آیا وہ بولتا چلا گیا اسے خود بھی اس بات کا علم تھا کہ وہ باتیں بنانے میں ماہر ہے۔
لیث کو واقعی اپنا ماضی یاد آیا۔ وہ تو ایک فلسطینی مہاجر تھا جس نے بچپن فلسطین میں اور آدھی عمر مصر

اور اردن میں بحیثیت مہاجر گزاری تھی اور جب جب اسے اپنا ماضی یاد آتا ، اس ماضی میں گزرا ایک منظر بھی ضرور یاد آتا۔

وہ رات جتنی سیاہ تھی اتنی ٹھنڈی بھی تھی۔ پورے شہرِ غزہ میں کرفیو لگا تھا۔ وہ اور اسکا دوست ساتھ ہی چھپ کر گھر سے باہر نکلے تھے۔ خطرے کے احساس پر باہر گھومنے کا جنون غالب آگیا تھا۔ وہ دونوں چھپ چھپا کر چلتے چلتے گھر سے ذرا دور ایک گلی کے کونے میں چھپ کر نیچے آبیٹھے تھے۔ دس سالہ لیث اور اسکا دوست دونوں ٹھنڈے فدرش پر بیٹھے تھے۔ لیث نے ایک پلاسٹک کا تھیلا دوست کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:

"آؤ چپس کھاتے ہیں۔" اس نے تھیلی میں سے ایک چپس کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"اے ابھی دکو ، وہ جو ہماری کلاس کا سیدو (عربی لفظ دادا کو مخاطب کرنے کے لیے) ہے نا اس نے مجھے آج بلایا تھا پہلے میں اس کے گھر سے آجاؤ ، اس نے کہا تھا کہ اس کے پاس ہم دونوں کے لیے ایک تحفہ ہے۔" لیث کے دوست، یزن نے جانے کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"ہم دو ہیں اور تحفہ ایک ہے۔" لیث نے فورا کہا۔

"ہم دونوں بھی تو یک جان دو قالب ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسکی بات سن کر دس سالہ لیث کے معصوم چہرے پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"دھیان سے جانا اور جلدی آنا۔" لیث نے ہاتھ ہلاتے ہوئے

اسے الوداع کہا ، وہ چھپتے چھپاتا اسکی آنکھوں سے
اوجھد ہو گیا۔

ابھی کچھ دید ہوئی تھی کہ لیٹ کو ٹھنڈ لگنا شروع
ہو گئی ، اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی تھی ، مگر
وہ اپنے دوست کا وفادار وہیں چھپد کے نیچے خاموشی
سے بیٹھا رہا۔ کپکپاتے ہاتھوں سے ٹھنڈی ٹانگوں کے گرد
حلقہ بنائے دیک کے بیٹھا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں ۔
اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب اسکی فیملی ایک خوشحال
زندگی گزارتے تھے ، حالات تب ہی خراب تھے لیکن بابا
کا کاروبار چل رہا تھا اور وہ اچھے لباس ، اچھے سویٹرز
اور اچھی جرسیز پہنا کرتا تھا پھر جنگ نے زور پکڑا اور
سب تباہ ہو گیا گھر بھی کافی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا
تھا لیکن وہ پھر بھی اس میں رہتے تھے۔ یہ سوچتے ہوئے
اسکی بند آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں نکلے ہی تھے کہ
تیزی سے گاڑیوں کی گزرنے کی آواز سے اسکی پورے
وجود میں خوف دوڑ گیا تھا۔ رات کے اس پھر یہ گاڑیاں
اسرائیلی فوجیوں کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی تھیں۔
اسکو ڈر لگا تھا ۔ اگر انہوں نے یژن کو دیکھ لیا تو ؟! اس نے
احتیاط سے ہلکا سا سر باہر نکال کر دیکھا۔ بکتر بند گاڑیاں
دونوں گلیوں کے درمیان بنی گلی سے تیزی سے گزر رہیں
تھیں ، جب وہ گزر گئیں تو اس نے سکون کا سانس لیا اور
چھپد کے نیچے لیٹ گیا۔ سرد راتوں کی ٹھنڈ اور خوف کہ
سبب پیدا ہونے والی ٹھنڈ کے سبب اسکا جسم اکڑ گیا

تھا۔

اچانک اسے اپنے کپکپاتے جسم پہ گدماٹش کا احساس ہوا جس نے اسے خوب فرحت بخشی تھی۔ اس نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں تو یزن اپنا مسکراتا چہرہ لیے اسکے سر پہ کھڑا تھا۔ اس نے خود ایک اونی سویٹر پہن رکھا تھا۔ اپنے جسم پہ ایک آف وائٹ اونی سویٹر دیکھ کر وہ کھلکھلا اٹھا۔ یزن اسکے برابر میں بیٹھا تو وہ بھی اٹھ بیٹھا۔

"تمہیں یہ سویٹر پسند آیا یا اگر میدا والا زیادہ اچھا لگ رہا ہے تو میدا لے لو"۔ یزن نے پوچھا۔
"نہیں نہیں یہی والا اچھا ہے۔" اس نے اپنے اونی سویٹر پر ہاتھ پھیدتے ہوئے کہا۔ اس سویٹر کا وہ حصہ جو دل کے مقام پر آتا تھا اس پہ ایک سطر لکھی تھی، "Con amore"۔

"تمہیں پتہ ہے میرے بابا نے میری امی کو ایک نیکلس تحفہ میں دیا تھا اس پہ "amore mio" لکھا تھا اور اس پہ کن آمورے لکھا ہے والا؟" اس نے اس سطر پر انگلی پھیدتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے یہ سیدو کے پاس کہاں سے آیا ہے، جو امداد آئی تھی نا وہاں سے ملا ہے اسے، کتنا اچھا ہے نا، ندم ہے نا؟" اس نے سوئیٹر چڑھے بازوؤں پہ ہاتھ پھیدتے ہوئے کہا۔

"ہاں اور گدم بھی۔" اس نے مضبوطی سینے کے گرد بازو

جکڑتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں چپس کھانے میں مشغول ہو گئے۔

لیث نے غید ارادی طور پر جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے ایک ہار نکلا جس میں ایک چھوٹا سا موتی لٹک رہا تھا اور ایک لپٹا ہوا کاغذ تھا۔ اس نے کاغذ کھولا تو اس پہ انگریزی میں تحریر لکھی ہوئی تھی اور نیچے ایک خوبصورت سی بچی کی تصویر چسپاں تھی جس نے بالوں پہ دونوں طرف کلیپس لگائی ہوئی تھیں اور وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ سویٹر شاید اس بچی نے دیا تھا۔

لیث اور یزن ان چیزوں کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے تھے۔ منظر تحلیل ہونے لگا۔ لیث حال میں واپس آیا تو اس کے چہرے پر مغموم سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"اپنی ماضی کا سن کر یقیناً آپکو یزن کی یاد آگئی ہوگی۔" سامنے بیٹھے فادی نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" لیث نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اتنا رہ چکا ہوں آپکے ساتھ، یہ بات تو مجھے اذہد ہو چکی ہے کہ آپکے چہرے پہ صرف یزن ہی بیک وقت اداسی اور مسکراہٹ لا سکتا ہے۔" فادی نے کہا۔

"لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف محبت میں جدائی دشوار ہوتی ہے، شاید ان سے کبھی انکا کوئی دوست نہیں بچھڑا ہوگا۔ جب دوست بچھڑتا ہے نا تو انسان اپنے دل کا وہ حصہ جو اس دوست کے نام کیا ہوتا، ساری زندگی اس

حصہ پہ لگے زخموں کا مداوا نہیں کرسکتا۔" اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین گدا کر اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ اس مضبوط انسان کے آنکھوں میں بچھڑے دوست کا ذکر کر کے ہمیشہ آنسوؤں آجایا کرتے تھے۔

رات کو اپنا سارا دل کا بوجھ ڈائری کے چند صفحات پر لکھ اتار دیا تھا۔

صبح جب وہ اٹھی تو اسے اپنے آپ مضبوط محسوس ہوا ، عادت کے مطابق وہ ناشتے کے بعد کمرے میں آفس کے لیے تیار ہونے چلی گئی - یوں اس نے اپنے اندمال (ہیلنگ) کے سفر کا آغاز ہوا - پہلا قدم وہ اٹھا چکی تھی۔

سفید بٹن ڈاؤن شرٹ کے ساتھ بیج ٹیلرڈ پینٹس اور نیوی بلیو بلیزر کا ، آگے سے صرف ایک بٹن بند کیے ، اس پہ بداون لانگ کوٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں کو ہمیشہ کی طرح کرل کیے اس کی کمرٹین بینگز اسکی تھوڑی کو چھو رہی تھیں ، اس نے اپنا سرداپا شیشے میں دیکھا - پچھلے دنوں کی تکالیف کا ثبوت اس کی پیشانی پر نکلے چند چھوٹے چھوٹے پمپلز دے رہے تھے۔ اس نے انکو دیکھا اور پیار سے انکو چھوتے ہوئے ہمیشہ کی طرح مسکراتے زید لب کہا:

" مجھے اپنے عورت ہونے پر فخر ہے - "

کندھے پہ بداؤن لیدر بیگ لٹکائے جب وہ باہر نکلی تو دادی جو عینک پہنے ، کتابوں کو سینے سے لگائے زہدا اور احمد کو

پڑھانے جا رہی تھیں ، اسکو دیکھ کر مسکرائیں اور وہاں
سے چلی گئیں - وہ بھی جواباً مسکرا کر اپنی منزل کی
طرف چل پڑی۔
(جاری ہے)

